Vol.3 No.3 2020

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

ثریا خورشید کی آپ بیتی 'چناروں کے سائے" میں کشمیری تہذیب

KASHMIRI CIVILIZATION IN SURAYA KHURSHID'S AUTOBIOGRAPHY "CHINAROON KY SAAY"

صائمہ اقبال[1]، روبینہ یاسمین[2]، سلمان فارسی[3]

Abstract:

The narration of the events of one' s life is called "autobiography". It can also be called autobiography. Speaking of Suraya Khurshid's autobiography "Chinaroon ky Saay", it is a marquee of beautiful memories in which the author has tried to describe the culture and civilization of Kashmir. The conditions and data of Kashmir, civilization and literature, literature and journalism, customs and traditions, arts and culture are described in a very beautiful way.This article presented culture of Kashmim in autobiography of Suraya Khurshid.

Key words: Autobiography,Culture,Kashmir,Suraya Khurshid, Chinaroon Ky saay.

آپ بیتی جسے انگریزی زبان میں (Auto Biography) کہتے ہیں، ایک ایسا فن ہے جس کے تحت فنکار اپنی ذات سے وابستہ واقعات و حوادث کو اس طریقے سے پیش کرتا ہے جس سے پڑھنے والے کی فکر و نظر کے کئی دروازے کھل جاتے ہیں۔ مختلف اُردو لغات میں اس کے مختلف مفاہیم متعین کئے گئے ہیں، جیسے اپنا ماجرا، اپنی سرگزشت، اپنی رام کہانی،(۱) خود نوشت سوانح حیاتی جسے خود ہی لکھا گیا ہو(۲) وغیرہ اسی طرح انگریزی زبان میں اس سے مراد یہ لی گئی ہے:

"The writting of one's history , the story of one's life written by himself."(۳)

مختصر لفظوں میں آپ بیتی کسی انسان کی زندگی کے تجربات، مشاہدات، محسوسات، نظریات اور عقائد کی ایک مربوط داستان ہوتی ہے جو خود اس نے بے کم و کاست اور راست راست قلم بند کر دی ہو۔

تہذیب عربی زبان کے لفظ ھذب سے مشتق ہے۔ تہذیب صدیوں سے انسانوں کی زندگی کا حصہ رہی ہے۔ تہذیب کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے کہیں کلچر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو کہیں ثقافت اور کہیں تہذیب کو تمدن کے پردے میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ تہذیب کے لئے انگریزی اصطلاح "کلچر" بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ کلچر اصل میں لاطینی زبان کا لفظ ہے۔ کلچر کے حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

"کلچر کا لغوی مفہوم تو کانٹ چھانٹ ہے۔ جب آپ اپنے پھولوں کی کیاری کو جڑی بوٹیوں سے پاک کرتے ہیں۔ پودوں کی تراش خراش کرتے ہیں اور پھولوں کو کھلنے کے پورے مواقع فراہم کرتے ہیں تو گویا کلچر کے سلسلے میں پہلا قدم اُٹھاتے ہیں۔"(۴)

جموں و کشمیر براعظم ایشیاء کے تقریباً درمیان میں اور بر عظیم کے شمال میں واقع ہے۔ اس مناسبت سے اسے ایشیاء کا دل اور بر عظیم کا تاج بھی کہا جاتا ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے کشمیر نہایت اہم خطہ ہے۔ پہاڑوں کے سلسلوں قراقرم، ہمالیہ اور ہندوکش میں یہ گھرا ہوا ہے ہے۔(۵) آب و ہوا کے لحاظ سے جموں و کشمیر کی ریاست کو چار ڈویژن میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ جموں ۲۔ کشمیر ۳۔ لداخ ۴۔ گلگت (۶)

---

[1] لیکچرار، شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

[2] شعبہ اردو گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

[3] اسکالر، ایم۔ فل، شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

جموں و کشمیر ایک زرعی ریاست ہے۔ یہاں کے اسی فیصد باشندے زراعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ریاست معدنی دولت سے مالا مال ہے۔ قومی آمدنی کا ایک بڑا حصّہ جنگلات کی مختلف نوع کی پیداوار سے حاصل ہوتا ہے۔ مزید براں پھل دار درختوں میں سیب، ناشپاتی، آڑو، آلوچہ، آلو بخارا، انار، اخروٹ، بادام، شہتوت، چیری اور خوبانی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اس وقت ریاست کی مجموعی آبادی کا اندازی ایک کروڑ پچاس لاکھ لگایا گیا ہے۔(۷) یہاں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندو، سکھ، عیسائی اور بدھ بھی آباد ہیں۔ مسلمان اکثریت میں ہیں جن کا تناسب ۸۴ فیصد ہے۔

قدیم تہذیب و تمدن، ثقافت، سیاست، عسکری واقعات اور مذہبی حوالوں کی بنیاد پر برعظیم پاک و ہند کی تاریخ میں سرزمین کشمیر کا ذکر ہمیشہ اہم موضوع رہا ہے۔ اس کے حسن و جمال کا تذکرہ تاریخ سے نکل کر اب ادب کا بھی ایک اہم موضوع بن گیا ہے۔ ثریا خورشید کی ذاتی یادداشتوں کے حوالے سے کتاب "چناروں کے سائے" ہے۔ جسے ہم آپ بیتی کی ذیل میں رکھ سکتے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۹۰ء میں مقبول اکیڈمی لاہور سے شائع ہوئی۔ مصنفہ کی یہ کتاب ان یادوں کا حسین مرقع ہے جو ارضِ جموں و کشمیر سے متعلق ہیں۔ مصنفہ نے ان یادوں کے حوالے سے قدیم اور جدید کشمیر کے حالات و کوائف، تہذیب و تمدن، ادب و صحافت اور ثقافت کا بیان ہے۔

ثریا خورشید کا تعلق وادی کشمیر سے ہے ان کی پیدائش سری نگر کے قریب ایک پہاڑی مقام اودھم پور میں ہوئی۔ ثریا خورشید کا بچپن جموں، گلمرگ، سری نگر، کشتواڑ کے علاقے میں گزرا۔ وہ روز نامہ جنگ، نوائے وقت، حریت، امروز، پاکستان ٹائمز، دی نیوز اور دی نیشن میں بھی لکھتی رہیں۔ اس کے علاوہ چار کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی شائع شدہ کتابوں میں افسانوں کا مجموعہ "املتاس کے پیڑ" سفر نامہ بانہال کے اس پار" آپ بیتی" چناروں کے سائے"، "فاطمہ جناح کے شب و روز" اور "یادوں کی کہکشاں" کو ۲۰۰۳ میں ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس میں انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات اور واقعات کو قلم بند کیا ہے۔

ثریا خورشید کی آپ بیتی "چناروں کے سائے" کی بات کرے تو یہ اُن حسین یادوں کا مرقع ہے جو مصنفہ نے کشمیر کی تہذیب و ثقافت کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ "چناروں کے سائے" کا اسلوب ادبی ہے یہ کتاب کشمیری ادبیات میں اپنے موضوع اور اسلوب دونوں کے اعتبار سے اچھوتی اور منفرد ہے۔ ثریا خورشید کی آپ بیتی، "چناروں کے سائے" لاہور مقبول اکیڈمی نے ۱۹۹۰ء میں شائع کیا یہ کتاب (۱۸۵) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا دیباچہ کلیم اختر نے لکھا ہے۔ اس کتاب میں مصنفہ نے کشمیری مصوری، کشمیری سکے، کشمیری موسیقی، کشمیری سنگتراشی اور رقص اور ساتھ ہی گلگت بلتستان کے حوالے سے کشمیری تہذیب کو بیان کیا ہے۔

ثریا خورشید کی کشمیری تہذیب کے حوالے سے بچپن کی خوبصورت یادیں

جموں پہاڑیوں کے مختصر سلسلے سے منسلک پتھروں کا صاف ستھرا شہر ہے۔ دریائے توی کے کنارے جہاں پتھروں کی کشادہ اور خوبصورت اونچی نیچی گلیاں ہیں اور چاروں طرف مختصر پہاڑوں کا طویل پھیلا ہوا سلسلہ جموں سے ۴۵ میں دور سرینگر جانے والی سڑک پر اودھم پور کا پہاڑی مقام ہے جو ان کی جائے پیدائش ہے۔ چھوٹا سا یہ خوبصورت شہر جہاں پانی اور جنگلوں کی بہتات تھی۔ کئی دفعہ وہ ڈل کے پُر سکون پانی میں شکار کے لیے بھی جاتی تھیں۔ کشتیاں اور ہاؤس بوٹا انہیں بے حد اچھے لگتے۔ اننت ناگ، اچھابل، ککرناگ اور گلمرگ کی گھاٹیاں اب بھی ایک رنگین خواب کی طرح ان کے ذہن میں موجود ہیں:

"موسم گرما میں سیب، آلوچے، آڑو اور ناشپاتیوں سے درخت بھرے ہوتے۔ اخروٹ کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ باغوں میں مالیوں کے باوجود بچے پھل اُتارتے اور کھاتے۔ مالی خود بھی ڈالیاں بنا بنا کر لاتے اور بخشش مانگتے۔ جانے اب وہاں کیا حال ہے؟"(۸)

کشمیر کی ایک کثیر آبادی ان دنوں بھی غربت اور افلاس کے دن گزارتی اور اُن کے معصوم ذہن میں یہ خیال بار بار اُبھرتا کہ اس سرزمین میں اتنا کچھ ہونے کے باوجود یہ لوگ اتنے غریب کیوں ہیں؟

مغل فنون لطیفہ

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ثریا خورشید نے اپنی آپ بیتی میں کشمیر کے حوالے سے مغل فنون لطیفہ کا بار بار ذکر کیا ہے۔ یہ فنون لطیفہ مغلیہ دور کی یاد دلاتے ہیں اور کشمیری تہذیب میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ اکبر، جہانگیر اور شاہ جہان مصوری کے بہت دلدادہ تھے۔ وکٹوریہ ابرڈ میوزیم لندن کا ہندوستانی شعبے میں (۲۴) تصویروں کا ایک بہت خوبصورت سیٹ پڑا ہوا ہے۔ جو ایک کپڑے پر بنا ہوا ہے۔ یہ تصویریں کشمیر میں ۱۶ صدی میں بنائی گئیں۔ ان تصویروں میں جنگ و جدل اور لڑائی کے کئی مناظر ہیں۔

مغل شہنشاوں میں جہانگیر ہی ایک ایسا شہنشاہ تھا جو ہر سال کشمیر آیا کرتا تھا۔ مغلوں کے دور میں کشمیر میں دوسرے فنون لطیفہ کو بھی بہت فروغ ہوا۔ کشمیر کا ریگر تو پہلے ہی بکتا تھا اور ان اسے شاہی پشت پناہی حاصل تھی۔ وہ اور بھی چمکا۔ طرزِ تعمیر میں بھی ترقی ہوئی۔ بادشاہ کے سارے باغات میں شالامار بہت حسین ہے۔ اس نہر کے کناروں پر دیودار کے بلند درخت بھی ہیں۔ باغ کے وسط میں ایک اور نہر اس سے آملتی ہے جو اور بھی خوبصورت بارہ دریوں میں سفید سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ جو بہت قیمتی ہے۔

کشمیر میں مصوری

ثریا خورشید نے کشمیر کی مصوری کے بارے اپنی کتاب "چناروں سائے" میں ذکر کیا ہے۔ مصوری کسی جگہ کی تہذیبی پہچان میں اہم مقام رکھتی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ شروع میں کشمیر کی تاریخ میں مصوری کا کوئی تصور نہیں تھا۔ مغل جب کشمیر پر قابض ہوئے تو دوسرے فنونِ لطیفہ کے ساتھ مصوری بھی اس دھرتی میں متعارف ہوئی۔ پہاڑی علاقہ کے عوامی آرٹ اور مصوری کی تکنیک کے امتزاج سے لوہلی قلم وجود میں آیا۔ اس میں عورتوں کے شفاف کپڑے، مردوں کے لباس مغل طرز کے ہیں اور چہروں کی بناوٹ مقامی طرز کی ہے:

"بلاشبہ ان کے نئے جموں میں پائے جانے والے بہت سے درختوں نے ماڈل کا کام دیا ہو گا۔ لوہلی کی تصویروں میں جو درخت دکھائے گئے ہیں وہ اشارتی بھی ہیں۔ مثلاً محبت کی ماری عورت بید کی جھکی ہوئی شاخوں کے نیچے کھڑی دکھائی دیتی ہے۔ پختہ عام عورت کے جسمانی حسن کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کا لباس مغل انداز کا ہے۔"(۹)

مکانوں اور محلات کے برج تختے، پتھر کی جالیاں، روغن کٹے ہوئے لکڑی کے کھمبے، جالی دار کھڑکیاں اکبر اور جہانگیر کے عہد کے مغل آرٹ کی غمازی کرتے ہیں۔ کشمیر کے پرانے معماروں نے اپنی عمارتوں میں آرائش کے لئے مصوری کی بجائے سنگ تراشی پر زیادہ زور دیا تھا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پتھر پر کھدے ہوئے مجسمے اور نقش و نگار زیادہ دیرپا ہوئے ہیں۔ مذہبی احساسات کی بنا پر مسلمان فنکاروں نے جانوروں کی تصویریں بنانے سے احتراز کیا لیکن پھر پرانی مسجدوں میں خوبصورت نقش و نگار اور قرآن پاک کی آیات کندہ ہیں۔ کشمیری مصوری کی تمام تر کوششوں کو "کشمیری قلم" کہا جاتا ہے۔ کشمیری قلم کے کئی نمونے سری نگر کے میوزیم اور عمارات میں موجود ہیں۔

کشمیر میں موسیقی

ثریا خورشید نے اپنی کتاب "چناروں کے سائے" میں کشمیری موسیقی کے حوالے سے کشمیری تہذیب کو بیان کرتی ہیں کہ اکبر اعظم نے جب کشمیر فتح کیا تو اسے معلوم ہوا کہ بڈ شاہ کی تعریف ہندو مسلمان دونوں ہی گیت میں گاتے ہیں اور دوہے کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ سنسکرت زبان میں بھی بادشاہ کی تعریف میں نظمیں اور قصیدے ہیں۔ بادشاہ نے یہ سب گیتوں کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ بڈشاہ کے دربار میں ملکی فن موسیقی کے ماہروں کے علاوہ ایرانی نورانی موسیقار بھی موجود تھے۔ ثریا خورشید نے اپنی آپ بیتی چناروں کے سائے میں ذکر کیا ہے کہ:

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"سلطان زین العابدین ہر قسم کے علوم وفنون کا سرپرست تھا اور علم موسیقی کا ماہر تھا۔ اس کی سخاوت کے قصّے سن کر کشمیر میں باہر سے کئی باکمال لوگ بادشاہ کی سرپرستی میں آئے اور تحائف اور انعامات سے مالا مال ہوئے۔۔۔۔ کشمیر کی شہنائی ہندوستانی کی سارنگی کی طرح ہے۔ کشمیری ستار بھی عام ستارے چھوٹے سائز کی ہے۔ پرانے موسیقی کے فنکاروں میں ایک کشمیری "لودی بٹ" ایک کشمیری پنڈت بنت مشہور گزارہے۔ جو شاہنامہ اتنی روانی اور مٹھاس سے پڑھتا تھا کہ سننے والوں کے اوپر سحر طاری ہو جاتا تھا۔ بادشاہ اس کا بہت قدر دان تھا۔"(۱۰)

مغلوں کی آمد سے کشمیر کی موسیقی میں ایرانی اور ہندی موسیقی کی آمیزش بھی ہوئی جو بہت خوبصورت تھی۔

کشمیر میں سنگتراشی اور رقص

ثریا خورشید 'چناروں کے سائے' میں سنگتراشی اور رقص کے حوالے سے کشمیری تہذیب کا ذکر کرتی ہیں کہ مارتنڈ اور اونٹی ورم کی خوبصورت کھدایاں جو آٹھویں صدی کے دور کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ظاہر کرتی ہیں کہ سنگتراشی کا یہ فن اس زمانے میں بھی بہت ترقی پر تھا۔ دیواروں اور ایوانوں پر پتھروں سے نقش ونگار، پھول بوٹے، ایستانوں کی تصویریں سب ثابت کرتی ہیں کہ اس فن نے بھی صدیوں پہلے بہت ترقی کی تھی۔ اس طرح رقص بھی ایک آرٹ کی حیثیت سے فن سمجھا جاتا تھا:

"مندروں اور پرانی عمارتوں پر عورتیں رقص کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ پرانے کشمیر کی تاریخ میں رتن مالا، دیپ مالا اور ترپ مالا کے نام بہت مشہور ہیں۔"(۱۱)

ہندوستانی اور ایرانی طرز کی آمیزش سے رقص کی اور قسمیں بھی کشمیر میں مقبول ہوئیں۔ ایسے رقصوں میں صوفیانہ اثر ہے۔ ان نو عمر لڑکیوں کا تعلق بھی رقص کرنے والے خاندانوں میں ہوتا تھا۔ انہیں خاص تربیت دی جاتی تھی اور خاص موقعوں کے لئے وہ رقص پیش کرتی تھیں۔ شادی، بیاہوں اور تہواروں پر ان کی بہت مانگ رہتی تھی۔

پیپر ماشی کی صنعت

پیپر ماشی کی صنعت کشمیر میں بہت پرانی ہے۔ پرانے کپڑوں اور کاغذوں کو کوٹ کر ان سے یہ صنعت معرضِ وجود میں آئی۔ جس کی صدیوں سے بیرونِ ملک میں مانگ رہی ہے۔ بیل بوٹے، پھول، چنار، کشمیر کے جنگلوں کے جانوروں کی تصویروں کے علاوہ رنگوں کا اتنا خوبصورت امتزاج پیپر ماشی پر ہوتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ پیپر ماشی سے ڈبے، بکس، ٹیبل لیمپ، قلمدان بڑے اور ہر طرح کی آرائش کی چیزیں بنتی ہیں۔

کشمیر کا جغرافیہ

ثریا خورشید نے اپنی کتاب "چناروں کے سائے میں" کشمیر کے جغرافیے اور تہذیب پر بات کی ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ کشمیر کو تہذیبی اور جغرافیائی عمل کے لحاظ سے ایک الگ حیثیت حاصل ہے۔ یہاں وسیع میدان اور سرسبز پہاڑ اور جنگلات ہیں۔ وہ پہاڑ اور جنگلات کشمیر کی پہچان ہے۔ اس لئے کشمیری لوگوں نے اپنی علاقائی پہچان کے لئے خود کو کوہستانی کہا ہے۔ ہر موضع کے پاس کوئی نہ کوئی ندی نالہ ضرور ہوتا ہے۔ جغرافیہ کے حوالے سے ثریا خورشید لکھتی ہیں:۔

"ریاست جموں وکشمیر طبعی طور پر تین حصول میں تقسیم ہے۔ حصّہ اوّل میں وہ تمام علاقے موجود ہیں جو ہمالیہ کے جنوب اضلاع پنجاب میں دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ علاقہ انتظامی طور پر صوبہ جموں میں شامل ہے۔ حصّہ دوم کوہِ ہمالیہ کا درمیانی علاقہ ہے جس قدر ملک کوہِ ہمالیہ کے بڑے سلسلے کے درمیان واقعہ ہے اس کا نام کشمیر ہے۔ حصّہ سوم کوہِ ہمالیہ کے پار کے علاقہ جات پر مشتمل ہے۔ یہ کوہِ ہمالیہ سے پرے کوہ قراقرم اور ہندوکش تک پھیلا ہوا ہے۔ لداخ اور گلگت کے اضلاع اسی میں شامل ہیں۔"(۱۲)

اس طرح ثریا خورشید اپنی کتاب "چناروں کے سائے میں" کشمیر کو جغرافیائی تہذیبی لحاظ سے بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ جو زمین کوہ ہمالیہ کے دامن میں واقعہ ہے۔ اس پر دنیا کی پیدائش سے پانی کی چادر بچھی رہی۔ قدیم مورخوں نے اس سیلابی زمین کا نام "سرستی سر یا مستی سر" لکھا ہے۔

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کشمیری :تاریخ وتہذیب

ثریاخورشید نے کشمیر کی تاریخ وتہذیب کے بارے میں اپنے کتاب "چناروں کے سائے" میں ذکر کیا ہے۔ کہ تاریخ کے سارے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ کشمیری تاریخ چھ ہزار سال پرانی ہے۔ چودھویں صدی عیسویں میں ریاست میں مسلمانوں کے برسر اقتدار آنے سے پہلے یہاں (۲۱) خاندان نے حکومت کی۔ جن میں سے (۱۸) حکمران خاندان مقامی تھے۔

"ریاست میں مسلمانوں نے (۴۷۹) سال (۱۸۱۹۔۱۳۴۰) تک حکومت کی۔ اس دوران ریاست میں (۲۴۰) سال تک آزادی رہی اور اس خود مختاری کے دوران ملک کافی ترقی کی ریاست میں صنعت، تجارت، دستکاری، شال اور لکڑی کے کام کی چیزیں بیرون ملک بھی جاتی رہیں۔ سلطان بڈشاہ (۷۰۔۱۴۲۰) کے زمانے میں تو کشمیر بہت ہی خوشحال اور ایک آزاد خطہ تھا۔"(۱۳)

۱۹۴۷ء کی جنگ آزادی میں کشمیر کا جو علاقہ آزاد ہو سکا۔ وہ "آزاد کشمیر" کہلاتا ہے۔ اس کا رقبہ ۴۴۹۷ مربع میل ہے اور آبادی تقریباً ۱۶ لاکھ ہے۔ اس میں مہاجرین کی ۹ لاکھ کی تعداد شامل نہیں جو انقلاب کے بعد پاکستان کے مختلف شہروں میں آکر آباد ہوگئے۔ آزاد کشمیر تحریک آزادی کا بھی بیس کیمپ ہے اور ساٹھ لاکھ کشمیریوں کی تحریک آزادی کی علامت ہے۔

گلگت بلتستان

ثریاخورشید "چناروں کے سائے" میں گلگت اور بلتستان کے جغرافیہ وتہذیب حوالے سے ذکر کرتی ہیں کہ یہ علاقہ تقسیم سے پہلے ریاست جموں و کشمیر کا حصّہ تھے۔ ۱۹۴۸ء میں کشمیر میں جنگ بندی کے بعد یہ شمالی علاقے ایک ریڈ ذنٹ کے ماتحت ہیں جنہیں حکومت پاکستان کی حمایت حاصل ہے:

"گلگت اور بلتستان کا رقبہ ۲۸ ہزار مربع میل ہے۔ یہ پہاڑوں سے گھری ہوئی ہمالیہ کے دامن میں ایک خوبصورت وادی ہے۔ جہاں پہاڑوں کی چوٹیاں سارا سال برف سے ڈھکی رہتی ہیں اور خنک اور سرد ہوائیں چلتی ہیں۔ یہ خطہ جو سطح مرتفع پامیر تک پہنچا ہے۔ اس کو جغرافیہ والوں نے "بام ایشیاء" کا نام دیا ہے۔"(۱۴)

پرانے زمانے میں منگولوں، تاتاریوں اور مغلوں کی آماجگاہ تھا اور آج کل اس کے شمالی حصّے میں ایک طرف چینی کمیونزم اور دوسری طرف "روسی کمیونزم" کی نظریاتی سلطنتیں موجود ہیں۔ شاہ قراقرم جس کا مقصد چین اور پاکستان کی پیدل سڑک کو ایک نئی سڑک بنانا تھا۔ چند سال پہلے ہی بنی ہے۔

پیشے

ثریاخورشید کشمیر کے پیشے وتہذیب کے حوالے سے بات کرتی ہیں کہ کشمیری پیشے کے لحاظ سے فنکار ہیں۔ لکڑی، پیتل، تانبا، سونے، چاندی، شالوں، کڑھائی، دتودرک، پیپر ماشی کہ ایسی دوسری دستکاریوں میں اس کے فن کا مقابلہ نہیں۔ ایک عام آدمی دن بھر مصروف رہتا لیکن اجرت اتنی کم ہوتی ہے کہ غربت کے بوجھ تلے دبتا رہتا۔ وزن اُٹھانے میں کشمیری مزدور کا مقابلہ نہیں۔ ان دنوں گھروں میں لکڑی جلتی اور سردی کی وجہ سے گرمی کے موسم میں ہی بخاریوں میں جلانے کے لئے لکڑی جمع کی جاتی۔ مزدور بیل گاڑیوں کی بجائے اسے خود کھینچتے ہیں۔

کاشت کاری

مصنفہ نے اپنی کتاب میں کشمیری کاشت کاری کے طریقے کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ دور وسعتوں تک دھان اور مکئی کے لہلہاتے کھیت تھے۔ پانی میں تیرتے ہوئے کھیت جہاں کشمیری دہقان کام کرتے اور ان کی عورتیں ان کے لئے کھانا لاتیں تھیں:

"کشمیر کی سرزمین چاول کی فصل کے لئے بہت موزوں ہے۔ چاول بہت پیدا ہوتا ہے جو وہاں کے لوگوں کی خاص خوراک ہے۔ چاول پنجاب کی طرح کا نہیں ہوتا بلکہ موٹا اور کھردرا ہوتا ہے لیکن لذت میں لاجواب، سرخ، سفید دونوں رنگوں میں ہوتا ہے اور پکا کر اور موٹا ہو جاتا ہے۔۔ غریب کشمیری چاول کے ستو بھی تیار کرتے ہیں جو صبح چائے کے ساتھ کھاتے ہیں۔ کشمیر میں ناشتہ بے حد سادہ ہوتا ہے۔ قہوہ یا کشمیری چائے کے ساتھ کلچہ۔"(۱۵)

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

دونوں وقت صرف پیٹ بھر کر کھانا کھانے کا رواج ہے۔ کشمیر کی مکئی بھی بہت لذیذ ہے۔ اسے لوگ "مصری مکئی" کہتے ہیں۔ جس میں شہد سی مٹھاس گھلی رہتی ہے۔ چائے کے ساتھ اس کی روٹی کھانے کا رواج ہے۔ مکئی کے دانے بھون کر بھی کھائے جاتے ہیں۔

دیگر ذرائع معاش

مصنفہ کشمیری تہذیب میں کشمیری لوگوں کے ذریعہ معاش پر بات کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ جنگلی بیر اُٹھا کے ٹوکرے عورتیں بھرتیں۔ بازاروں اور گلیوں میں بیچنے کے لئے جاتے۔ چند سکے کمانے سے اس سستے زمانے میں ان کا غریبی اور مفلسی کے باوجود گزارا ہو جاتا اور کئی خاندان ان پر پلتے۔ انہی لوگوں میں سپیروں کے کئی خاندان تھے۔ جو سانپوں کی پوٹلیاں اُٹھاتے۔ دن بھر گلیوں میں لوگوں کو سانپ دکھاتے۔ سپیروں کے متعلق عجیب عجیب باتیں مشہور تھیں۔ یہ جادو ٹونہ بھی کرتے کہ:

"خیر و برکت کے لئے لوگوں کو تعویز دیتے اور "گدھر سنگی" جو کہاوت کے مطابق جنگل کا ایک خاص خزانہ تھا جو کبھی قسمت والے کو ہاتھ لگتا تھا اور جس کے پاس رکھنے سے انسان صاحبِ قسمت اور ثروت بن جاتا ہے۔ سپیرے گانے بجانے میں بھی ماہر ہوتے اور خود ساختہ سازوں سے ڈوگری اور پہاڑی گیت گاتے۔"(۱۶)

مصنفہ نے کشمیری پیشوں کے بیان سے کشمیری تہذیب کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے کہ کشمیر کی دستکاری یہاں کے بسے ہوئے عوام کے جذبات کی ایک ایسی داستان ہے جس کا اظہار وہ لکڑی کے کام، پیپر سازی کے کام، شاد و شالے اور کڑھائی سے کرتے ہیں۔ کشمیر میں پہاڑی بھیڑ بکریوں کی اون سے تیار کی ہوئیں شالیں، غدے نہایت خوبصورت، ملائم اور نفیس ہیں۔ صرف اسی دھرتی پر پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی شالیں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ ان کا وزن نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود بہت گرم ہوتی ہیں۔ لکڑی کے کام میں بھی بہت نفاست ہے۔ اکثر ساگوان اور اخروٹ کی لکڑی استعمال ہوتی ہے۔

لباس

ثریا خورشید نے کشمیری مسلمانوں اور کشمیری پنڈتوں کے لباس کے حوالے سے بھی کشمیری تہذیب بیان کی ہے۔ کشمیری مسلمانوں اور کشمیری پنڈتوں کے لباس میں زیادہ فرق تو نہ تھا لیکن پنڈت عورتیں اپنے پھرن پر ایک پھندے والا خوبصورت سٹریپ باندھی تھیں اور شادی شدہ خواتین چاندی کے لمبے لمبے آویزے رنگ دار بھندنوں سے اپنے سر کے دونوں طرف لٹکاتی تھیں۔ نوجوان لڑکیاں کھلا پاجامہ اور قمیض پہنتیں۔ وہ ڈھیلے پاجامے کا ساہوتا۔ نیچے لیس ہوتی یا فیتہ یا مشین سے ہی پلیٹز بنا دی جاتیں۔

"دیہاتوں میں کشمیری عورت برقعہ نہیں اوڑھتی تھی لیکن شہروں میں برقعہ کا رواج امیر طبقے میں تھا۔ غریب عورتیں مردوں کے ساتھ کام کرتیں۔ کشمیری مرد بہت محنتی ہیں۔"(۱۷)

ثریا خورشید اس حوالے سے اپنی کتاب "چناروں کے سائے میں" کشمیری تہذیبی کے حوالے سے کشمیری لوگوں کا ذکر کرتی ہیں کہ کشمیری لڑکیوں کے بھرے بھرے بازوؤں پر چاندی کے موٹے کڑے ہوتے۔ چاندی کی بھاری بالیوں کے وزن سے جھکے کان اور سر کے بالوں کو گوندنے کا ایک خاص انداز ہے۔ کشمیر کی بجائے پھرلا پہنتی ہیں جو بہت کھلا اور چوڑی آستینوں والا پہناوا ہے۔ اس کے گلے اور آستینوں پر ضرور کچھ نہ کچھ کام بنا ہوتا ہے۔

امیر لوگ تلے اور دھاگے کا کام کرواتے ہیں اور غریب عام دھاگے کا۔ شلوار تنگ اور گھیرے دار ہوتی ہے۔ پٹھانوں کی طرح اور سر پر چھوٹا دوپٹہ جو بالوں پر ٹوپی کے ساتھ باندھ کر پیچھے کھلے رومال کی طرح چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ سر کا یہی سٹائل روس اور یوگوسلاویہ میں بھی رائج ہے۔ امیر کشمیری عورتیں سر پر ایک خاص قسم کی چیز پہنتی تھیں جسے "کساب" کہتے تھے۔ اپنی حیثیت کے مطابق وہ چاندی یا سونے کا ہوتا تھا جس میں موتی کی لڑیاں آویزاں ہوتی تھیں کلوپڑا کے مصر میں عورتیں سر پر یہ پہنا کرتی تھیں۔

کشمیری شادیاں

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کشمیر میں باقی مسلمانوں کی طرح آپس میں شادیاں عام ہیں۔ایک ہی خاندان میں شادیاں اس تعداد میں ہوتی ہیں کہ اس خاندان میں کئی کئی منسلک ہوتے چلے جاتے ہیں۔شادیوں پر بارات بھی مشعلوں کے ساتھ رات کو جاتی اور دلہن صبح پو پھٹنے سے پہلے دلہا کے گھر آ جاتی۔صرف چند کپڑے، معمولی زیور اور چند برتن۔البتہ مہمانوں کا کھانا بہت عمدہ کھلایا جاتا ہے:

"مغلوں کے اقتدار کی وجہ سے کشمیر کی تہذیب پر ایران اور ترکستان "وسط ایشیاء" کی تہذیبوں کا بہت گہرا اثر باقی ہے۔اس لئے گوشت مختلف طریقوں سے پکایا جاتا ہے۔ویسے بھی سرد ملکوں میں گوشت زیادہ کھایا جاتا ہے۔سبزیاں بھی تیل میں اور رکھنائی میں زیادہ تر پکتی ہیں۔روٹی کھانے کا رواج نہیں۔دونوں وقت لوگ چاول کھانے کے عادی ہیں اور کشمیری کھانے کے بعد قہوہ پینے کا رواج ہے۔"(18)

عجیب بات ہے کہ انہوں نے اپنے بچپن سے کسی کشمیری مرد یا عورت کو موٹا نہیں دیکھا حالانکہ دونوں وقت چاول کھاتے ہیں اور اب ڈائٹنگ کے لئے چاول کھانے سے منع کیا جاتا ہے۔مسئلہ اصل کشمیری کھانے میں گھی اور چینی کا استعمال بالکل برائے نام ہے۔اس لئے موٹاپے کا بالکل مسئلہ نہیں۔کشمیری مہمان نواز قوم ہیں اور کھانے پر دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔

چشموں کے متعلق

ثریا خورشید نے اپنی کتاب "چناروں کے سائے" میں ایک قدیم کشمیری مورخ کا حوالہ دیا ہے کہ قدیم کشمیری مورخ کلہنا پنڈت نے چشموں کے متعلق اس ہندو عقیدے کا ذکر کیا ہے کہ ایک دیوتا ہر چشمے کی حفاظت کرتا ہے اور ناگ کے روپ میں یہاں ظاہر ہوتا ہے کہ:

"اس لئے کشمیر میں چشموں کے نام ناگ سے منسوب ہیں۔مثلاً دیری ناگ، کوثر ناگ، اننت ناگ وغیرہ۔نیل ناگ کا چھوٹا سا خوبصورت۔۔۔مقام سری نگر کے شمال مغرب میں صرف تقریباً تیس میل کے فاصلے پر واقعہ تھا۔پہاڑوں سے گھری ہوئی۔"(19)

مغل باغات کشمیر کی ایک خاص جاذبیت ہیں۔نشاط، شالامار اور چشمہ شاہی کے باغات سرینگر سے صرف چند کوس کے فاصلے پر واقعہ ہیں۔جہاں سے جھیل ڈل کا منظر بہت محسور کن لگتا ہے۔

کشمیری سکے

ثریا خورشید نے اپنی آپ بیتی میں کشمیری سکوں کا بھی ذکر کیا ہے جس سے کشمیری تہذیب کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ بڈشاہ کے زمانہ میں سب سے پہلے چاندی اور سونے کے سکے کشمیر میں بنے۔سری نگر میں سکوں کی ٹکسال تھی۔اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں بھی سری نگر میں ہی سلطنت کے لئے سکے تیار ہوتے تھے۔جہانگیر کے زمانے کے سکے سب سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ تقسیم سے کچھ سال پہلے جموں کے قلعہ باہو کے قریب کھدائیوں میں دو بڑی دیگیں ملیں جو سونے چاندی کے سکوں سے بھری ہوئی تھیں اور یہ سارے سکے اکبر اور جہانگیر کے زمانے کے تھے۔

کشمیری خانہ بدوشی تہذیب

ثریا خورشید نے اس حوالے سے اپنی کتاب "چناروں کے سائے میں بات کی ہے کہ گھنے جنگلوں، دریاؤں کے شور اور عمیق گھاٹیوں کے ساتھ ساتھ جو چیز اس جگہ بہت دلکش لگی۔وہ خانہ بدوشوں کے قافلے تھے جو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نظر آتے ہیں:

"ہر جگہ کے خانہ بدوش اپنی نوعیت کے لحاظ سے الگ تھے۔شکل وصورت میں بھی اور عبادات میں بھی۔اس پہاڑی ملک میں جو خانہ بدوش نظر آتے۔وہ سرخ و سفید ہوتے اور خوبصورت بھی۔۔گانا گاتے، ساز بجاتے۔۔۔دنیا کی ہر فکر سے آزاد اپنی دنیا میں مگن۔یہ ہنستے کھیلتے خانہ بدوش بہت خوش لگتے۔بھیڑ بکریاں پالتے، ٹوکریاں بناتے اور مزدوری کرتے۔"(20)

خانہ بدوش دنیا کے ہر ملک میں ہیں۔سب سے پہلے قدیم مصر میں ان کے متعلق سنا گیا تھا۔پھر دنیا کے مختلف ملکوں میں وہ پھیل گئے۔پانی، سبزہ اور روزگار کی تلاش میں ہر نئی جگہ پر خیمے لگاتے اور پھر کوچ کرتے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

عمارتیں

ثریاخورشید نے کشمیر کی عمارتوں کی تہذیب کے حوالے سے بات اپنی کتاب "چناروں کے سائے" میں بات کی ہے کہ جموں ہند میں داخل ہوتے ہی راجا کے محلات نظر آتے ہیں اور مندروں کے بڑے بڑے۔۔۔ کی سنہری رنگت بہت خوبصورت ہے۔

"جموں کو اگر ہندوستان کے بنارس کی طرح "مندروں کا شہر" بھی کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ کئی مشہور دیوی دیوتاؤں کے بڑے بڑے مندر اس شہر میں تھے۔ ان میں رو گناناتھ مندر، دیوانوں کا مندر اور آریہ سماج کا ایک مندر بہت مشہور تھا۔"(۲۱)

سامنے باغوں کا مشہور قلعہ تھا جو زمانہ قدیم کے ایک بادشاہ کی یادگار تھی۔ قلعے کے ساتھ مسجد بھی بنی ہوئی تھی جو دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

شاعری

ثریاخورشید کشمیر کی شاعری کے حوالے سے بھی اپنی کتاب میں کشمیری تہذیب کو بیان کیا ہے کہ خوبصورت لوگ اور خوبصورت آب و ہوا یہ سب باتیں شاعری کو دعوت دیتی ہیں۔ قدرتی بات ہے کہ اتنے خوبصورت ماحول میں خواہ مخواہ دل گنگنانے لگتا ہے اور شعر زبان پر آجاتے ہیں۔ ثریاخورشید اپنی کتاب چناروں کے سائے میں لکھتی ہیں کہ کشمیری زبان کا ادبی ذخیرہ بہت وسیع ہے لیکن زیادہ ادب نظم کی شکل میں ملتا ہے اور بہت کم کشمیری ادب کو چار حصول میں تقسیم کیا جاتا ہے

پہلا دور: شتی کنٹھ سے شیخ نور دین تک

دوسرا دور: حبہ خاتون سے ارنی مالی تک

تیسرا دور: محمود گامی سے وہاب پرے تک

چوتھا دور: محمود یا موجودہ غلام احمد سے شروع ہوتا ہے۔

صوفیانہ عقیدت

ثریاخورشید اپنی کتاب چناروں کے سائے میں صوفیانہ عقیدت اور تہذیبی ثقافت کے بارے میں بات کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ وہ لوگ بارہا "بابا رشی" کی زیارت پر گئے۔ اکثر کشمیری طبقہ پیر پرست ہے۔ وہاں پر ہر طرح کے لوگ آتے۔ بچے، بوڑھے، عورتیں، نوجوان اور تندرست کشمیری لڑکیاں سب دعا کرتے اور اپنی اپنی منتیں مانتے اور قبول ہونے پر ہر ماہ نیاز دیتے ہیں:

"کشمیریوں کو مذہب سے بے حد عقیدت ہے۔ نماز اور روزے کے بہت پابند ہیں۔ ان ساری مشہور زیارتوں میں حضرت بل کی مشہور زیارت تھی جہاں حضرت محمد ﷺ کا موئے مبارک اور دوسری نشانیاں تھیں۔ یہاں لوگ اپنے بچوں سمیت زیارت کے لئے آتے اور نبی کریم ﷺ کی یاد میں آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتے۔"(۲۲)

سرینگر میں آریہ سماج والے کافی ترقی پسند تھے۔ ان کے مندروں میں دیوی دیوتا کے مجسمے تو نہیں تھے لیکن بڑے مدھر، بھجن اور موسیقی کی میٹھی راگنیاں سنائی دیتیں۔ میوزک ہندوؤں کے مذہب کا ایک حصّہ ہے۔ اس لئے وہ مسلمانوں کے مقابلے میں بہت آگے تھے۔ سندھ ندی جو دریائے سندھ تو نہیں بلکہ یہاں کی ایک ندی ہے۔ سون مرگ سے سرینگر تک کے پہاڑی راستوں میں بہتی ہے۔ سون مرگ کے راستے میں "کھیر بھوانی" کا متبرک مقام بھی آتا ہے جو ہندوؤں کی مقدس جگہ بھی ہے۔

خانقاہِ معلی

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مصنفہ اپنی کتاب میں خانقاہ معلے کی تہذیب اور عقیدت مندانہ اہمیت بیان کرتی ہیں کہ سرینگر کشمیر میں خانقاہ معلے کی تہذیب کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہو گی۔ لکڑی کی بنی ہوئی یہ عمارت جس کی دیواروں پر صدیوں کی گلکاری بھی جاذبِ نظر ہے۔ لوگ صبح و شام وہاں تلاوت کلام پاک کرتے اور یادِ الٰہی میں مصروف نظر آتے۔ یہاں شاہ ہمدان کا حجرہ بھی ہے جہاں انہوں نے کبھی قیام کیا کہ:

"تہذیب و تاریخ کے مطابق سلطان محمد شاہ کی ملکہ صالحہ نے اپنے زیورات بیچ کر اسے دوبارہ تعمیر کروایا۔ ایک عجیب بات ہے کہ کشمیر کی مساجد اور درگاہوں کی طرز تعمیر بدھ مت کی طرزِ تعمیر سے مشابہ ہے۔ شاید کشمیر میں بدھ مت کے فروغ اور تمدن کے یہ وہ اثرات ہیں۔ جن کا اثر ملک و قوم پر ضرور پڑتا ہے۔"(۲۳)

خانقاہ معلے کے ساتھ سلاطین کا قبرستان اداس اور ویران پڑا ہے۔ بے شمار ہستیاں یہاں دفن ہیں۔

چنار کے درخت کے حوالے سے

ثریا خورشید چنار کے درخت کی تاریخ کے حوالے سے اپنی کتاب "چناروں کے سائے" میں بیان کیا ہے۔ کشمیر میں چنار کا ایک درخت ایک الگ تہذیب حاصل ہے کشمیر میں چنار کے درخت کو قومی حیثیت حاصل ہے لکھتی ہے کہ کشمیر میں چنار کا درخت بہت پایا جاتا ہے کہ:

"چنار کا درخت قد آور ہونے کے ساتھ چوڑا بھی ہوتا ہے۔ اس کے خوبصورت اور نوخیز پتے بڑی اچھی چھاؤں دیتے ہیں۔ گرمی کی دوپہروں میں اکثر لوگ باغوں میں چنار کشادہ درخت کے نیچے سوتے ہوئے نظر آتے۔"(۲۴)

پت جھڑ کے موسم میں چنار کے پتے زرد ہو کر نیچے ڈھیر بن جاتے ہیں اور یہ خشک پتے غریب کشمیریوں کے لئے ایندھن کا کام دیتے۔ وہ انہیں اُٹھا کر سردیوں کے لئے گھروں میں جمع کر دیتے اور برف کے دنوں میں ان کی آگ تاپتے ہیں۔

باغوں کا ذکر

ثریا خورشید کشمیری تہذیب و تاریخ میں باغوں کے حوالے سے بات کرتی ہے کہ سری نگر کے باغوں میں "پرتاب باغ" کا ذکر نہ کرنا بے معنی ہو گا۔ سرینگر میں بسنت باغ بھی تھا۔ اس کا نام "بسنت باغ" جانے کیسے پڑا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ یہاں اکثر بسنتی پھول نظر آئے۔ بسنت موسم کا تہوار ہے کہ:

"بسنت کے تہوار کے بعد جو پھول سب سے پہلے نظر آتا وہ نرگس کا ہوتا۔ اتفاق کی بات ہے کہ نرگس کا پھول بھی آدھا زرد ہوتا ہے۔ زرد کٹورہ اور سفید مہکتی پتیاں، سرسبز نوکیلے پتوں کا چھوٹا سا پودا جس پر زرد اور سفید پھول اپنی بہار دیکھاتے۔ میلوں تک نظر آتا۔ لوگ گلدانوں میں انہیں سجاتے اور تحائف میں انہیں ایک دوسرے کے پاس بھیجتے۔ پھول تو سب ہی خوبصورت ہوت ہیں لیکن نرگس کا پھول جاذبیت اور دلکشی میں یکتا ہوتا ہے۔(۲۵)

تو نرگس کے خوشرو پھولوں کے وہ کھیت یاد آتے۔ برفانی زمین جب برف پگھلنے سے دھل جاتی تو نرگس کا پھول نکلتا۔ پھر سویٹ پیز اور ہنی شکل کی خوش رنگ بیلوں میں آتشی اور سفید پھول نکلتے۔ جھیل ڈل کے بیچ میں ایک چھوٹا سا خشکی کا قطعہ تھا۔ جسے "چار چناری" کہتے تھے۔ پیر پنجال کے پہاڑ کے ساتھ ہی درہ بانہال تھا۔ ثریا خورشید نے کشمیر میں موجود 'اچھابل باغ' داراشکوہ باغ، جھیل ڈل کا ذکر کیا ہے۔ سرینگر شہر کے بیچوں بیچ دریائے جہلم نہایت سست روانی سے بہتا ہے۔ شہنشاہ جہانگیر کی چہیتی ملکہ نور جہاں کو "چشمہ شاہی" بہت پسند تھا۔

ثریا خورشید نے اپنی کتاب "چناروں کے سائے میں" میں کشمیری کی تہذیب کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ جس سے یقین ہو جاتا ہے کہ واقعی کشمیر دنیا کی جنت ہے یہاں کی مٹی سونا اُگلتی ہے۔ قدرت کی ہر نعمت کا افراط ہے لیکن پھر یہاں کے لوگ شکستہ حال ہیں لیکن دوسرے لوگ اس کی سونے کی مٹی سے سیر اب ہو گئے ہیں اور انہیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ اصل حقدار مفلسی کی زندگی گزار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود کشمیری زندہ دل قوم ہے۔ چاندنی راتوں میں دریاؤں کے کناروں پر ندیوں کے پتھر پر، مہکتے ہوئے پھولوں میں اور رنگین دلآویز فضاؤں اور کوہساروں میں مطمئن زندگی کے میٹھے گیت الاپتے ہیں۔ بانسری اور بتوار کے سازوں سے دل بہلاتے ہیں۔ تمکنارے بجا کر مدھر نغمے گاتے ہیں۔ ان میں زندگی ہے۔ ان میں عشق و محبت کا سیر اب ہے۔

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

حوالہ جات

۱۔ فرہنگ آصفیہ، جلد اوّل (مرتبہ) سید احمد دہلوی، لاہور: مکتبہ حسن سہیل، ص ۹۵

۲۔ قومی انگریزی اُردو لغت (جلد چہارم) ڈاکٹر جمیل جالبی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۹ء، ص 1293

3. The Oxford English Dictionary "Oxford" The Clarendon Press. 1933 Vol. 1 , Pg: 573

۴۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، لاہور: جدید ناشرین، 1965ء ص:154

۵۔ شکیل احمد خواجہ، مسئلہ کشمیر ایک تاریخی جائزہ، لاہور: کلیہ علوم اسلامیہ و شرقیہ پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء، ص ۱۵

۶۔ جی۔ ایم میر، جموں کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں، ص ۷۹

۷۔ ایضاً، ص ۴۲

۸۔ ثریا خورشید، چناروں کے سائے، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۰ء، ص: ۵۰

۹۔ ایضاً، ص: ۲۰

۱۰۔ ایضاً، ص: ۲۳

۱۱۔ ایضاً، ص: ۲۵

۱۲۔ ایضاً، ص: ۳۰

۱۳۔ ایضاً ص:: ۳۳

۱۴۔ ایضاً، ص: ۳۴

۱۵۔ ایضاً، ص: ۷۸

۱۶۔ ایضاً، ص: ۱۵۸

۱۷۔ ایضاً، ص: ۱۳۸

۱۸۔ ایضاً، ص: ۱۴۵

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۱۲

۲۰۔ ایضاً، ص: ۱۵۴

۲۱۔ ایضاً، ص: ۱۵۵

۲۲۔ ایضاً، ص: ۱۰۹

۲۳۔ ایضاً، ص: ۶۸

۲۴۔ ایضاً، ص: ۱۱۵۹

۲۵۔ ایضاً، ص: ۱